۳: چھ شخص نے قربانی کی ایک گائے خریدی، ہرایک نے ایک ایک حصہ دیااورایک حصہ کووہی چھ شخص مل کرحضورعلیہ ﷺ کے نام پر دیتے ہیں۔

مذکورہ مسائل میں ہمارے ملک میں بین العلماء اختلاف ہے، بعض علماء کہتے ہیں کہ قربانی صحیح نہیں ہوگی اوربعض کہتے ہیں کہ صحیح ہوگی اورصحت کے قائلین اپنے دعوی کا ثبوت یہ پیش کرتے ہیں کہ "اللؤلؤ والمرجان" نامی رسالہ (جس کی تقریظ بنگلہ دیش کے چار بڑے مفتیوں نے کی ہے) کی یہ عبارت:

مسئلہ:

بیل،(ا) بھینس،اُونٹ میں سات شخص شریک ہونا جائز ہےاوربکری میں صرف ایک حصہ ہے،اس سے زائدشریک ہوناجائزنہیں اورایک حصہ پورارکھنے کے بعداگر

کسر ہوتو کوئی خرابی نہیں، کیونکہ اس کسر کوکل کا تابع قرار دینا ممکن ہے، مثلاً ایک بیل میں دوتین، چار پانچ چھ شخص شریک ہونے سے جو کسر لازم آتا ہے، اس میں پورا ایک حصہ صحیح سالم رہتا ہے، زائد میں کسر ہے، لہٰذا یہ جائز ہوگا، اب ایک بیل یا اُونٹ میں مثلاً چھ آدمی چھ حصہ لیکر باقی ماندہ حصہ کو سب مل کر حضور ﷺ یا پیر کے لئے دینا چاہیں تو دے سکیں گے۔

حاشية: (ا) في البدائع : ولا شک في جواز بدنة أو بقرة عن أقل من سبعة بأن اشترک اثنان أو ثلاثة أو أربعة أو خمسة أو ستة في بدنة أو بقرة؛ لأنه لما جازالسبع فالزيادة أولى، وسواء اتفقت الأنصباء في القدر أواختلفت؛ بأن يكون لأحدهم النصف وللآخر الثلث وللآخر السدس بعد أن لا ينقص عن السبع. (ج: ۵ ص: ۷۱)

وفي الهداية: ولوكانت البدنة بين اثنين نصفين تجوز في الأصح لأنه لما جاز ثلاثة الأسباع جاز نصف السبع تبعاً له. (ج: ۴ص: ۴۲۵)

اورامدادالفتاوی ج:۳ص:۵۳۳ کے اس سوال اورجواب سے اپنے دعوی کا ثبوت پیش کرتے ہیں:

س: متوفی کی طرف سے قربانی کرنے کا کیا مطلب ہے؟ آیا اپنی طرف سے ایک حصہ قربانی کر کے اس متوفی کوثواب پہنچادے یا مثل دیگر شرکاءِ چندہ کے اس کا نام حصہ پر قرار دیکر قربانی کر لے۔فقط۔

الجواب: دونوں طرح درست ہے۔

اورناجائز کہنے والے حضرات، مولانا محمد شفیع مفتی اعظم پاکستان کے اس قلمی فتوی سے استدلال پیش کرتے ہیں جس کو ہم استفتاء مع الجواب بطور استشہاد اس ایک ہی لفافہ میں استفتاء ہٰذا کے ساتھ ارسال کررہے ہیں۔

اب طلب امر یہ ہے کہ صحیح مسئلہ کو ہمارے سامنے پیش کریں، تاکہ ہم مطمئن ہوجائیں اور (اس کا نام حصہ پر قرار دیکر قربانی کرلیں) امداد الفتاوی کی اس عبارت کا کیا مطلب ہے، کیا میت کو مالک بنادینا ہے؟ ورنہ اتنے آدمیوں کی طرف سے ایک حصہ قربانی کیسے صحیح ہوگا، اگر مالک بنانا مقصود ہو تو میت کیسے مالک ہوگا؟

بینوا بالدلائل النقلیة و العقلیة

المستفتی احقر شفیق اللہ و محمد جعفر احمد غفر لهما الله

خادم جامعہ اسلامیہ ٹیکناف

چاٹگام بنگلہ دیش

مذکورہ مسئلہ سے متعلق مستفتی کی طرف سے مرسلہ

مفتیِ اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کا فتوی

سوال:- کیا فرماتے ہیں علماءِ دین ومفتیانِ شرع مبین کہ لوگ ایک سال کے لئے مزدور رکھتے ہیں، اس کی اجرت کے اندر ایک سال کا کھانا بھی داخل ہے، کیا اس مزدور کو اپنی قربانی کے گوشت سے کھانا کھلانا جائز ہوگا یا نہیں؟ یعنی اس کی اجرت میں جو کھانا دیا جاتا ہے، اس کھانا کو اپنی قربانی کے گوشت سے کھلا سکتے ہیں یا نہ؟

۲: دیگر یہ ہے کہ محلّہ میں بیس یا تیس گھر والوں پر ایک ایک سردار ہوتے ہیں جس کو ہمارے اصطلاح میں شماز کہتے ہیں، اب قربانی کرنے والے لوگ اپنی قربانی کے گوشت کو تین حصہ کرتے ہیں، ایک حصہ خود رکھتے ہیں اور دو حصہ ان شمازیوں کو دیتے ہیں اور اپنی قربانی کو چھیلنا اور کوشاو غیرہ یعنی قصائی کا کام شمازیوں سے لیتے ہیں اور اگر کوئی شخص کام کرنے کے لئے حاضر نہ ہو تو ان کو سردار صاحب بہت برا بھلا کہتے ہیں، کبھی کبھی ان کو گوشت کے حصہ سے محروم کیا جاتا ہے اور جو لوگ کام کرنے کے لئے حاضر ہوتے ہیں، وہ بھی محض گوشت کے خیال سے آتے ہیں، کیونکہ ان کو گوشت نہ ملے تو ہرگز کام کرنے کے لئے نہیں آئیں گے تو خلاصہ یہ ہے کہ شمازیوں سے قصائی کا کام لیکر ان کو

قربانی کے گوشت دینا جائز ہوگا یانہ؟

۳: یہ ہے کہ چھ آدمی مل کر ایک بیل قربانی کے لئے خریدتے ہیں، اب چھ آدمی چھ حصہ کو ازطرف خوداور ساتواں حصہ کو چھ آدمی مل کر حضورﷺ کے لئے قربانی دیتے ہیں، اب یہ ساتواں حصہ قربانی ہوگی یانہ اور نہ ہونے کی صورت پر باقی چھ حصۂ قربانی میں فتور آئے گا یانہ؟ بینوا توجروا عند اللہ الجلیل۔

جواب ۱:- بہتر یہ ہے کہ قربانی کے ایام میں اس کے کھانے میں کچھ زیادتی کردی جائے تاکہ قربانی کا گوشت معاوضۂ ملازمت سے زائد ہوجائے۔

۲: ظاہر ہے کہ قربانی کا گوشت کسی خدمت کے معاوضہ میں دینا حرام ہے اور جو کسی نے دیا ہے، اس کی قیمت لگا کر اس قیمت کا صدقہ کرنا واجب ہے۔

۳: ساتویں حصہ میں کئی آدمیوں کی شرکت کی وجہ سے یہ قربانی ناجائز ہوگئی۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم
بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ
دارالعلوم کراچی
۲۱؍صفر ۱۳۷۸ھ

جواب از حضرت والا دامت برکاتہم العالیہ

۳: چھ آدمی مشترک طور پر گائے خریدیں اور ہرایک شخص نے ایک ایک حصہ مکمل طور پر رکھااور باقی ایک حصہ میں وہی چھ آدمی مل کر اپنے بجائے حضور اکرم ﷺ کی طرف سے قربانی کرنا چاہیں تو اس صورت کے بارے میں کوئی صریح جزئیہ تو کتبِ فقہ میں تلاش کے باوجود نہیں مل سکا، البتہ قواعد کا مقتضاء یہ ہے کہ ان کی اصل قربانی درست ہو جائے گی، لیکن ایک حصہ میں آنحضرت ﷺ کی طرف سے قربانی کرنے کی جو نیت ہے وہ درست نہیں ہوگی، یعنی ہرایک کی طرف سے الخ

اس کی دلیل یہ ہے کہ اس مسئلے میں علماء کا اختلاف ہے کہ جو شخص کسی جانور میں ایک حصہ اپنی واجب قربانی کے طور پر کر رہا ہو، وہ اسی جانور میں دوسرا حصہ نفلی قربانی یا کسی اور جہت کے لئے لے سکتا ہے یا نہیں؟

بعض حضرات مثلاً حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب مدظلہم کی رائے یہ ہے[1] کہ وہ دوسرا حصہ کسی اور جہت کے لئے نہیں لے سکتا، اور اگر وہ ایسی نیت کرے گا تو اس کی نیت کالعدم ہوگی اور دونوں حصوں سے واجب ہی ادا ہوگا، مثلاً کوئی شخص ایک پوری گائے کی قربانی کرے اور اس میں ایک حصہ اپنی واجب قربانی کا رکھے اور باقی چھ حصے مختلف لوگوں کے ایصالِ ثواب کے لئے رکھے تو اس قول کے مطابق باقی چھ حصوں میں ایصالِ ثواب کی نیت معتبر نہ ہوگی، بلکہ پوری گائے سے واجب قربانی ہی ادا ہوگی۔

لیکن دوسرے علماء کا کہنا ہے کہ واجب قربانی کے ساتھ ایک شخص ایک ہی جانور میں متعدد حصے متعدد جہات کے لئے رکھ سکتا ہے، ان دونوں اقوال کے مطابق صورتِ مسئولہ میں واجب قربانی ادا ہوگی، اور ایک حصہ میں ایصالِ ثواب کی نیت معتبر نہ ہوگی۔

پہلے قول کے مطابق تو ظاہر ہے کہ جب ایک شخص ایک جانور میں متعدد جہات کی نیت نہیں کرسکتا تو صورتِ مسئولہ میں آنحضرت ﷺ کی طرف سے قربانی کرنے کی جو نیت کی گئی وہ معتبر نہ ہوئی اور پورے جانور سے واجب قربانی ہی ادا ہوئی۔

البتہ دوسرے قول پر اشکال ہوسکتا ہے کہ جب ایک شخص ایک ہی جانور میں متعدد جہات

(۱) احسن الفتاوی کتاب الأضحیة والعقیقة ج: ۷ ص: ۵۴۴ تا ص: ۵۵۰ (طبع سعید)

کے لئے حصہ لے سکتا ہے تو صورتِ مسئولہ میں چھٹے حصے کے اندر تمام افراد کی نیت معتبر قرار پائی اور چونکہ ایک حصہ میں چھ افراد شریک ہوئے جو خلافِ مشروع ہے، لہٰذا یہ چھٹا حصہ لحم بن گیا اور جب ایک حصہ لحم بن گیا تو کسی بھی حصہ کی قربانی درست نہ ہوئی۔

لیکن غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قول کے مطابق بھی مذکورہ چھ افراد کی اصل واجب قربانی ادا ہو جائیگی، اس کی دلیل دو مقدمہ پر موقوف ہے:

۱: پہلا مقدمہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص کوئی قربانی کسی دوسرے شخص کی طرف سے اس کے امر کے بغیر کرتا ہے تو درحقیقت وہ قربانی ذبح کرنے والے کی طرف سے ہوتی ہے، البتہ اس کا ثواب اس شخص کو پہونچتا ہے جس کی طرف سے قربانی کرنے کی اس نے نیت کی۔

قال العلامة الشاميؒ تحت قول الدر المختار "وعن ميت" أى لو ضحى عن ميت وارثه بأمره ألزمه بالتصدق بها وعدم الأكل منها، و إن تبرع بها عنه له الأكل لأنه يقع على ملك الذابح والثواب للميت۔ (رد المختار ۵/۲۱۳)[1]

(۱) الدر المختار مع ردّ المحتار كتاب الأضحية ج: ۶ ص: ۳۳۵ (طبع سعيد)
وفى العرف الشذى للكشميريؒ ج:۳ ص: ۱۹۱ قال ابن وهبان فى منظومته:
وعن ميت بالأمر الزم تصدقاً
و إلا فكل منها و هذا المحرر.
وفى التيسير بشرح الجامع الصغير للمناویؒ ج:۱ ص: ۲۲۴ (طبع مكتبة الشافعى رياض) (حرف الهمزة) (إذا ضحى أحدكم فليأكل) ندبا مؤكدا (من أضحيته) ومن كبدها أولى قال تعالى فكلوا منها وأطعموا البائس الفقير لكن إن ضحى عن غيره بإذنه كميت أو صبى ليس له ولا لغيره من الأغنياء الأكل الخ
وفى الفيض القدير للمناویؒ ج: ۱ ص: ۳۹۲ (طبع المكتبة التجارية الكبرىٰ مصر) ويستحب إذا أكل وأهدى وتصدق أن لا يزيد على كله على الثلث ولا تنقص صدقته عنه هذا كله فى التطوع أما الأضحية الواجبة بنحو نذر أو بقوله جعلتها أضحية فيحرم أكله منها ولو ضحى عن غيره بإذنه كميت أوصى فليس له ولا لغيره من الأغنياء الأكل.
وفى ردّ المحتار ج: ۶ ص: ۳۲۶ (طبع سعيد) (فرع) من ضحى عن الميت يصنع كما يصنع فى أضحية نفسه من التصدق والأكل والأجر للميت والملك للذابح .قال الصدر: والمختار أنه إن بأمر الميت لا يأكل منها وإلا يأكل بزازية.
(باقی آئندہ صفحہ پر)

۲: دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی جانور میں ساتویں حصے کی کوئی کسر (مثلاً نصف السبع یا ثلث السبع یا سدس السبع) تنہا لے تو وہ شرعاً قربانی نہیں ہوتی بلکہ لحم بن جاتی ہے، البتہ جس شخص نے کسی جانور میں کوئی سبع کامل لیا ہو تو اس کے ساتھ اگر وہ سبع کی کسر بھی لے لے تو وہ کسر بھی اصل کے تابع بن کر قربانی شمار ہوتی ہے، اس کی وجہ سے جانور لحم نہیں بنتا، یہ بات سوال ۲ کے جواب میں مفصل گزر چکی ہے۔ تاہم اطمینان کے لئے مندرجہ ذیل عبارتیں دوبارہ ملاحظہ ہوں:

(۱) ولا شک فی جواز بدنة أو بقرة عن أقل من سبعة بأن اشترک اثنان أو ثلاثة أو أربعة أو خمسة أو ستة فی بدنة أو بقرة؛ لأنه لما جاز السبع فالزيادة أولى، وسواء اتفقت الأنصباء فی القدر أو اختلفت؛ بأن يكون لأحدهم النصف وللآخر الثلث ولآخر السدس بعد أن لا ينقص عن السبع. (بدائع الصنائع للكاسانیؒ ۷۱/۵)[1]

(۲) ولو كانت البدنة بين اثنين نصفين تجوز فی الأصح، لأنه لما جاز ثلاثة الأسباع جاز نصف السبع تبعا له كذا فی الهداية ، وقال فی الكفاية تحت قوله "فی الأصح" هذا احتراز عن قول بعض المشايخ فإنهم قالوا: لا يجوز لأن لكل واحد منهما ثلاثة أسباع و نصف سبع ، ونصف السبع لا يجوز فی الأضحية ، فإذا لم يجز

(گذشتہ سے پیوستہ) وفی الفتاوی الكبریٰ الفقهية على مذهب الإمام الشافعیؒ ج: ۹ ص: ۳۸۲ (طبع دار الكتب العلمية بيروت) فلو ضحّى عن غيره بإذنه كميت أوصٰى بذلک ليس له ولا لغيره من الأغنياء الأكل منه و به صرّح القفال فی الميت و علّله بأن الأضحية وقعت عنه أی الميت فلا يحلّ له أن المضحّی الأكل منها إلا بإذنه أی الميت وقد تعذّر فيجب التصدق عنه بجميعها.

(۱) كتاب التضحية فصل أما محل إقامة الوجوب (طبع سعيد) وفی طبع دار الكتب العلمية بيروت ج: ۱۱ ص: ۲۰۲

البعض لم یجز الباقی، وقال بعضهم: یجوز وبه أخذ الفقیه أبو اللیث والصدر الشهید لأنه لما جاز ثلاثة الأسباع جاز نصف السبع تبعاً، ووجه ذلک أن نصف السبع و إن لم یکن أضحیة فهی قربة تبعاً للأضحیة کما إذا ضحی شاة فخرج من بطنها جنین حیی فإنه یجب علیه أن یضحیه و إلّا لم یجز تضحیته ابتداءً. (حاشیة الهدایة للإمام اللکنویؒ (۴/۴۴۵)[1]

(۳) ومثله فی العنایة (۸/۷۱)[2] و الهندیة (۸/۷۱)[3]

ان دومقدمات کی روشنی میں جب زیرِ بحث صورت کو دیکھا جاتا ہے تو اس کی حقیقت یہ سامنے آتی ہے کہ مذکورہ چھ آدمیوں نے ایک حصہ میں حضور اکرم ﷺ کی طرف سے قربانی کرنے کی جو نیت کی ہے بحکمِ مقدمہ اُولیٰ اس کا حاصل یہ ہے کہ وہ قربانی انہیں کی طرف سے ہوگی، اور آنحضرت ﷺ کو ایصالِ ثواب ہوگا اور جب قربانی انہیں کی طرف سے ہوئی تو اگر ان کا کوئی کامل حصہ اس جانور میں نہ ہوتا تو یہ حصہ لحم بن جاتا، کیونکہ کسر کی قربانی مستقلاً مشروع نہیں، لیکن چونکہ انہیں چھ آدمیوں کے اسی جانور میں کامل حصے موجود ہیں، اس لئے چھٹے حصے کی کسر دوسرے مقدمے کے مطابق کامل حصے کے تابع ہوکر درست ہوجائے گی، اس کی مثال بالکل ایسی ہوگی جیسے یہ چھ آدمی جانور میں ایک ایک کامل حصہ لینے کے بعد ساتویں حصہ کے بارے میں یہ طے کرتے کہ یہ ہم سب کی طرف سے مشترک ہوگا، جس کا حاصل یہ ہوگا کہ اس ساتویں حصہ کا ایک ایک سدس ہر شخص کا ہوگا، ظاہر ہے کہ اس صورت میں ساتویں حصہ کی کسر کی وجہ سے بحکمِ مقدمہ ثانیہ ان کی قربانی باطل نہ ہوئی، بلکہ یہ کسر بھی اصل کے تابع ہوکر درست ہوجاتی ہے، بعینہٖ اسی طرح صورتِ مسئولہ میں بھی یہ اصل قربانی درست ہوجائے گی، کیونکہ آنحضرت ﷺ کی طرف سے قربانی کرنے کا مطلب بحکم

(۱) کتاب الأضحیة ج: ۴ ص: ۴۴۳ (طبع مکتبة رحمانیه)

(۲) کتاب الأضحیة ج: ۸ ص: ۴۳۰ (طبع رشیدیه)

(۳) کتاب الأضحیة الباب الثامن فیما یتعلق بالشرکة فی الضحایا (طبع رشیدیه کوئٹه)

مقدمہ اُولیٰ اپنی طرف سے قربانی کرنا ہے، وقد مرجوازہ۔

اب صرف یہ بات رہ جاتی ہے کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کے لئے جو ایصالِ ثواب کیا ہے، آیا یہ ایصالِ ثواب درست ہوگا یا نہیں؟

اوّل تو اس مسئلے کا تعلق آخرت کے ثواب سے ہے، جس کے بارے میں نص کی غیر موجودگی میں کوئی یقینی حکم لگانا مشکل ہے، لیکن قواعد سے یہ ایصالِ ثواب درست معلوم نہیں ہوتا، اس لئے کہ ساتویں حصہ میں جو کسر واقع ہوئی وہ قربت تو ہے لیکن قربت مستقلہ نہیں، بلکہ واجب قربانی کے تابع ہے، لہٰذا صرف اس قربتِ تابعہ کا ایصالِ ثواب ایسا ہے جیسے کوئی شخص یہ کہے کہ میں نے اپنی فرض نماز میں جو مستحبات انجام دئے ہیں صرف ان مستحبات کا ثواب فلاں کو پہونچاتا ہوں، اور ایسے ایصالِ ثواب کی کوئی نظیر شریعت میں نظر سے نہیں گزری۔

بالخصوص یہاں قربتِ تابعہ بھی ایسی ہے کہ اگر مہدی لہ خود اس کو انجام دیتا تو کسی کی بھی قربانی درست نہ ہوتی، اس لئے اس کا ایصالِ ثواب اور زیادہ مخدوش ہے، اس کے علاوہ صرف ایک قربتِ ضمنیہ کا ثواب آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ہدیہ کرنا، جبکہ قربتِ اصلیہ اپنی طرف سے ہو ذوقاً موہم سوءِ ادب معلوم ہوتا ہے، لہٰذا اس سے احتراز کرنا چاہئے، اور جب آنحضرت ﷺ کی طرف سے کوئی قربانی کرنے کا ارادہ ہو تو مکمل حصہ کی قربانی کرنی چاہئے۔

مفتیِ اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ کا جو فتویٰ سوال کے ساتھ منسلک کیا گیا ہے وہ بظاہر نظر مذکورہ بالا تحریر کے خلاف معلوم ہوتا ہے، لیکن اس فتویٰ میں کافی اجمال ہے اور اس میں جو یہ فرمایا گیا ہے کہ

"ساتویں حصہ میں کئی آدمیوں کی شرکت کی وجہ سے یہ قربانی ناجائز ہوگی۔"

اس کا ایک مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ صرف ساتواں حصہ میں ایصالِ ثواب کی نیت سے قربانی باطل ہوگی، نہ کہ اصلِ قربانی، اس صورت میں اس فتویٰ کا حاصل بھی وہی ہوگا جو اُوپر ذکر کیا گیا۔

دوسرے اگر اس فتوی کی مراد یہی ہو کہ پوری قربانی باطل ہوگی، تو یہ احتمال بھی ہے کہ حضرتؒ کے پیشِ نظر وہ صورت ہو جبکہ ساتویں حصہ میں دوسرے کئی آدمیوں کی شرکت ہوگئی ہو، نہ کہ ان آدمیوں کی جن کے کامل حصے اس جانور میں موجود ہیں۔ اور پیچھے عرض کیا جاچکا ہے کہ اس صورت میں پوری قربانی باطل ہوجاتی ہے۔ اور اگر بالفرض فتوی کی مراد صورتِ مسئولہ میں پوری قربانی کا باطل ہوجانا ہے تو حضرتؒ نے اس مسئلے کے دلائل سے تعرض نہیں فرمایا، اور اگر حضرت قدس سرہ کی خدمت میں وہ اُمور پیش کئے جاتے، جن کا اوپر ذکر کیا گیا تو شاید ان کی رائے بھی قربانی کے جواز کی ہوتی۔ ان احتمالات کی موجودگی میں یہ محتمل فتوی مذکورہ بالا دلائل کو یکسر نظرانداز کرنے کے لئے کافی معلوم نہیں ہوتا۔

اسی فتوی کے مختلف پہلوؤں پر غور کرنے کی وجہ سے جواب میں تاخیر ہوئی، کیونکہ حضرت قدس سرہ کا محتمل فتوی بھی ہم جیسوں کی مفصل تحقیق پر فوقیت رکھتا ہے۔

لیکن بار بار اصول وقواعد پر نظر کرنے اور کتبِ فقہ کی مراجعت کے بعد جو رائے فیما بیننا وبین اللہ قائم ہوئی، اہلِ علم کے سامنے اس کا اظہار بھی ضروری ہوا، اس بناء پر یہ تحریر لکھی گئی، تاہم چونکہ یہ تحریر قواعد کی بنیاد پر لکھی گئی ہے اور حضرتؒ کے فتوی کا ظاہر اس کے خلاف ہے، اس لئے یہ عین ممکن ہے کہ یہ ناچیز کے سوءِ فہم پر مبنی ہو، اس لئے اس بارے میں دوسرے علماء اہلِ فتوی سے بھی مراجعت کرلی جائے۔ هذا ما منح لی فی هذا الباب۔

واللہ اعلم

احقر محمد تقی عثمانی

(فتوی نمبر ۲۰۰۷/۳۵ھ)